ولی محمّد ولؔی دکنی

(1707-1635)

ولؔی کا وطن احمد آباد تھا، لیکن وہ ولؔی دکنی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اُس زمانے میں گجرات کو بھی دکن کہتے تھے۔ ولؔی ایک معزّز صوفی خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے اعتبار سے اعلا تعلیم پائی، پھر وہ اس زمانے کے مشہور صوفی شاہ سعداللہ گلشن کے مرید ہوئے۔ ولؔی نے گجرات کے باہر کئی جگہ کے سفر کیے۔ دِلّی بھی وہ ایک یا دو بار آئے۔ اس طرح ان کی شاعری جو خود ہی بہت اعلا درجے کی تھی، جگہ جگہ مشہور ہوگئی۔ دِلّی میں تو خاص کر ولؔی کا کلام ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کے نئے دور کا آغاز اسی وقت ہوا جب ولؔی کا کلام دِلّی پہنچا۔

ولؔی کی غزل میں صوفیانہ اور عاشقانہ مضامین کہیں تو گہرے فلسفیانہ یا سنجیدہ رنگ میں بیان کیے گئے ہیں، اور کہیں انھیں نسبتاً آسان طریقے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ولؔی کی زبان قدیم اردو (یعنی دکنی) اور متوسّط اُردو (یعنی میؔر و سوؔدا کی اردو) کے درمیان ایک زبردست اور خوب صورت پُل کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ پُرانی زبان پَر پُرزے جھاڑ کر نئے انداز کو اپنانا چاہتی ہے۔ اس انداز میں فارسی اور دیسی الفاظ شیر و شکر ہو رہے ہیں۔ اس طرح زبان میں یہ قدرت پیدا ہو رہی ہے کہ وہ نازک اور گہرے خیالات کا اظہار کر سکے۔

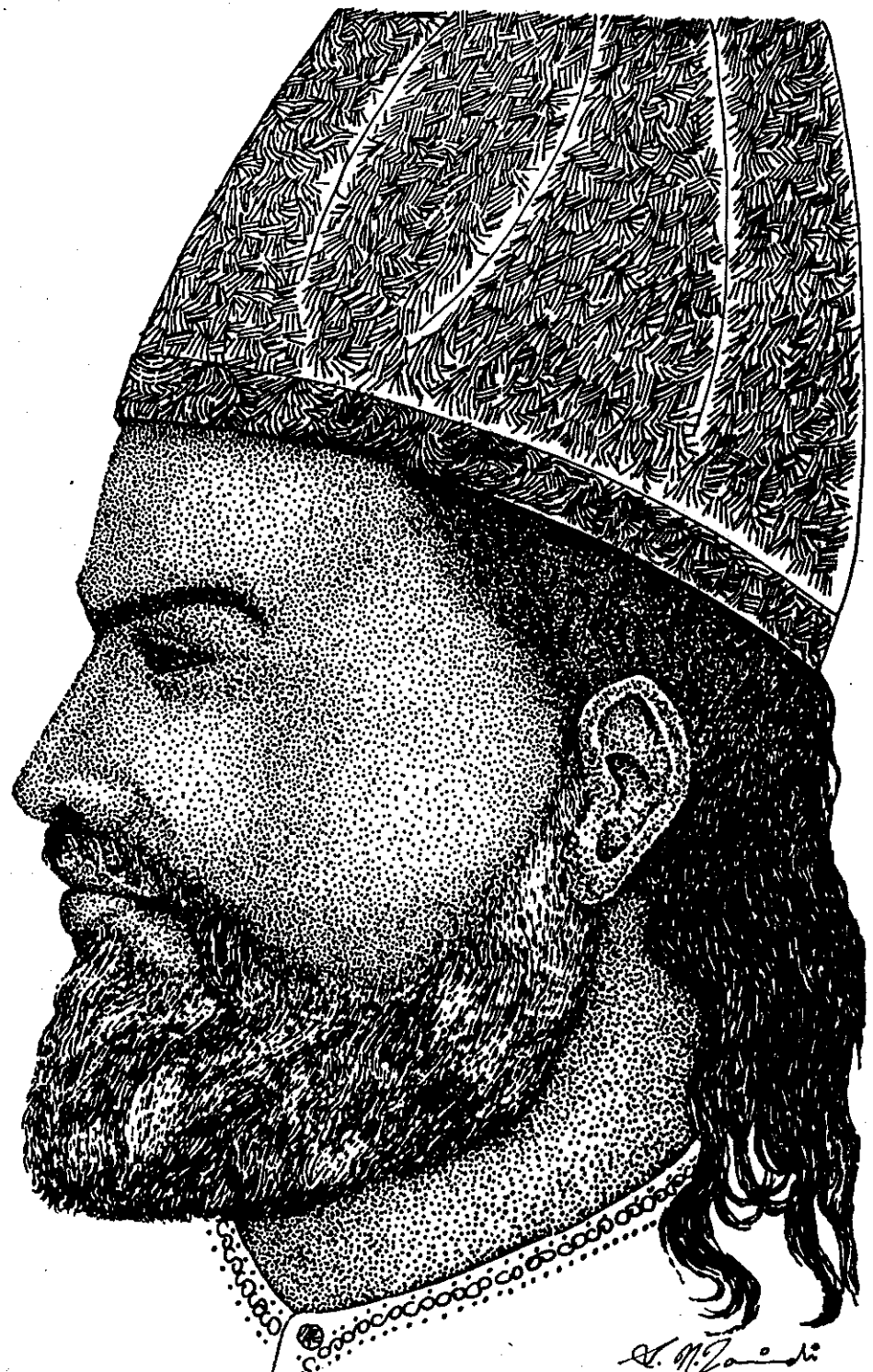

①

وہ صنم جب سوں بسا دیدۂ حیران میں آ
آتشِ عشق پڑی عقل کے سامان میں آ
ناز دیتا نہیں گر رخصتِ گلگشتِ چمن
اے چمن زارِ حیا دل کے گلستان میں آ
حُسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالبِ عشق ہُوا صورتِ انسان میں آ

②

آج دِستا ہے حال کچھ کا کچھ
کیوں نہ گزرے خیال کچھ کا کچھ
دلِ بیدل کو آج کرتی ہے
شوخ چنچل کی چال کچھ کا کچھ
مجکوں لگتا ہے اے پری پیکر
آج تیرا جمال کچھ کا کچھ
اثرِ بادۂ جوانی ہے
کر گیا ہوں سوال کچھ کا کچھ

③

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے
جب لگ نہ ملے شرابِ دیدار
انکھیاں کا خُمار کیوں کے جاوے
ہے حُسن ترا ہمیشہ یکساں
جنّت سوں بہار کیوں کے جاوے
انجھواں کی اگر مدد نہ ہووے
مجھ دل کا غبار کیوں کے جاوے

معنی اور اشارے

سوں	=	سے
دیدہ	=	آنکھ
رخصت	=	فرصت ، اجازت
گلگشت	=	سیر
تجرید	=	اکیلا ہونا
دِسنا	=	دکھائی دینا
بیدل	=	کم ہمّت ۔ بُزدل
جمال	=	حُسن
بادہ	=	شراب

کیوں کے = کیونکر
جب لگ = جب تک
انکھیاں = آنکھیں
خمار = شراب کی طلب
انجھواں = یہ "انجھو" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں : آنسو

غور کرنے کی بات

غزل نمبر ایک، شعر نمبر تین :

اس شعر میں ایک بہت لطیف صوفیانہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ صوفیوں کا کہنا ہے کہ خدا کا نور ہر انسان میں جلوہ گر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خدا ایک چھپے ہوئے خزانے کی طرح تھا، اُس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے، اس لیے اُس نے دنیا بنائی۔ ولی نے اس شعر میں یہ مزید بات رکھ دی ہے کہ جو حُسن ہے وہی عشق ہے۔ حُسن جب تنہا ہے یعنی جب اس میں کوئی ملاوٹ نہیں تو وہ کسی جگہ پر محدود نہیں ہے۔ یہی حُسن جب انسان کی شکل میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو اس کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب عشق اس کا سامنا کرے۔

غزل نمبر تین، شعر نمبر چار :

غبار کو "رنجیدگی" اور "ناراضگی" کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ خاص کر ایسی ناراضگی جو برحق نہ ہو۔ غبار (بہ معنی گرد) کو صاف کرنے کے لیے پانی کارآمد ہے۔ آنسوؤں کا پانی اگر بہ نکلے تو دل کا غبار یعنی دل کی رنجیدگی دُھل جائے۔

مشق اور مطالعہ

(1) ترکیب کسے کہتے ہیں ؟ تینوں غزلوں میں جو ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں، ان کی فہرست بنائیے۔

(2) پہلے زمانے میں لفظ کی جمع بنانے کے لیے اس کے آگے "الف نون" بڑھا دیتے تھے، جیسے "انجھو" سے "انجھواں"۔ یہ طریقہ اب بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن سب لفظوں کے ساتھ نہیں۔ دس لفظ ایسے لکھیے جن کی جمع آج بھی "الف نون" بڑھا کر بنائی جاتی ہے۔

(3) ہمارے بہت سے محاورے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مصدر کے آگے "آ" لگا دیتے ہیں۔ مثلاً آ بیٹھنا۔ پہلی غزل کے پہلے شعر میں اس طرح کا ایک محاورہ ذرا شکل بدل کر آیا ہے۔ بتائیے وہ کیا ہے ؟

(4) جس طرح کے محاورے کے بارے میں اوپر سوال کیا گیا ہے، اس طرح کے تین محاورے اور لکھیے۔